سبطِ حسن: 'مارکس اور مشرق'

حماد رسول*

ڈاکٹر قاضی عبدالرحمٰن عابد**

Abstract:

Syed Sibt-e-Hassan is a renowned Marxist philosopher who's services regarding to educate he people specially the young is remarkable. He tried to make the mind enlightened rational and scientific. In most of his writing Sibt-e-Hassan makes a synthesis of ideology and literary materialism this article intends to trace this synthesis in this writing "Mark Aur Mashriq". This article reflect the analytical and critical study of Syed Sibt-e-Hassan's view which is based on scientific, logical and rational approach.

سید سبطِ حسن کا شمار اولین مارکسی مفکرین میں ہوتا ہے جنہوں نے مارکسی نظریات کو نہایت سادہ اور آسان صورت میں لوگوں تک پہنچا کر اُن کی فکری تربیت میں اہم کردار ادا کیا اور معاشرہ کو سائنٹیفک اور عقلی بنیادوں پر استوار کرنے میں اپنی تمام زندگی وقف کر دی۔ تاریخ اور فلسفہ کے نہایت ادق مضامین کو جس سادگی کے ساتھ بیان کیا ہے اس کی مثال شاذ ہی دکھائی دیتی ہے۔ سبط حسن اپنے استدلال کی بنیاد دو چیزوں پر استوار کرتے ہیں اوّل تاریخ اور دوم سماجی ارتقاء کیونکہ ان کے نزدیک یہی دو منابع ہیں جن کی روشنی میں کسی بھی مسئلہ کو سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ ہر عہد کا نظام اقدار اپنے عہد سے جڑا ہوتا ہے اور عصرِ حاضر کے نظام اقدار کی روشنی میں ماضی کے کسی نظام اقدار کو ہدف ملامت بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ماضی کی اقدار کی بنیاد پر عصرِ حاضر کی اقدار کو۔ تاریخی شعور ہم سے اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اس عہد کی متحرک اور متحارب قوتوں کا بغور مطالعہ کر کے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ان کے تصادم کی نوعیت کیا تھی اور یہ کہ کونسی قوتیں تبدیلی کی نقیب تھیں اور یہ کہ کن قوتوں کا مفاد ریاست کے ساتھ وابستہ تھا کیونکہ ماضی کی تمام ریاستیں اپنے عصری حالات کا نتیجہ تھیں۔

مارکس اور مشرق سبط حسن کی وہ کتاب ہے جو کہ ان کی زندگی میں زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی: سبط حسن اس کتاب پر کام کر رہے تھے اور کافی حد تک اسے مکمل بھی کر چکے تھے لیکن موت نے انہیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ

---

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

** شعبہ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

اسے مکمل کر کے طبع کرا سکتے ۔ یہ کتاب اپنے موضوع کی مناسبت سے نہایت اہم اور وقیع ہے۔ ۱۹۴۸ء میں اپنے امریکہ ملک بدری کے دوران سبطِ حسن نہ صرف وہاں کی لائبریریوں سے مارکس کی تحریروں کا مطالعہ کیا بلکہ مارکس کے وہ مراسلت جو کہ ہندوستان اور بالخصوص ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کی صورتحال کے حوالہ سے تھے کا نہ صرف بغور مطالعہ کیا بلکہ ان کو ٹائپ کروا کر محفوظ بھی کرلیا تھا۔ کارل مارکس کہ جس نے اپنی تمام زندگی ایک نظریہ اور مقصد کے حصول کی خاطر نہایت تنگدستی اور عسرت کے عالم میں گزاری اور نہ صرف خود بلکہ اس کے خاندان کو بھی اس تمام کرب سے گزرنا پڑا۔ یہ وہی مارکس ہے جس نے اُس وقت جبکہ فرانس ۱۸۴۸ء کے مشکل ترین دور سے گذر رہا تھا اور فرانس کا رجعت پسند طبقہ ساں سائموں اور فوریر کے خیالات کے سبب مذہب کی آڑ میں ہر ترقی پسند اور روشن خیال تحریک پر لا مذہبیت کے فتوے لگا رہا تھا۔ جرمنی میں سوشلسٹ تحریک کو نہایت سائنٹیفک اور مبنی بر حقیقت بنیاد فراہم کی۔ ہندوستان اور مارکس کے نظریات کے حوالہ سے یہ کتاب ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

مشرق اور مغرب کا تعلق زمانۂ قدیم ہی سے چلا آ رہا ہے یونانی فاتحین نے ایشیائی خطوں کو اپنی مہم جوئی کیلئے انتخاب کیا کئی حملہ آور ان خطوں کی جانب آتے رہے ہیں سکندر اعظم بھی اسی غرض سے وادی سندھ تک آ پہنچا تھا لیکن وادئ سندھ نے اسے قبول نہ کیا اور اُسے اس سرزمین سے ناکام ہی واپس جانا پڑا۔ لیکن سکندر اعظم کی وفات کے بعد اس کے دو جرنیلوں بطلیموس اور سلوکس یوں قابل ذکر ہیں کہ بطلیموس کے حصہ میں مصر کا علاقہ آیا اور سلوکس کے حصہ میں شام، لبنان، عراق، فلسطین اور ایران آیا سلوکس نے انطاکیہ (جدید ترکی) کو اپنا دارالسلطنت بنایا اسی شہر کے ملبے پر بعد ازاں ساسانیوں نے قصر تعمیر کیے اور عربوں نے اس کو مدائن سے تعبیر کیا۔ سلوکس کے زوال کے بعد یونانیوں نے ایک خود مختار ریاست باختر میں بھی قائم کی تھی۔ اگاتھوکلیس اپالوڈوٹس اور بطلیموس بادشاہوں نے مشرق کے مختلف حصوں کو نہ صرف فتح کیا بلکہ وہاں اپنی تہذیب اور تمدن کے آثار بھی چھوڑے۔ ان بادشاہوں نے مصر میں قریباً پونے تین سو سال حکومت کی ان کا دارالحکومت اسکندریہ تھا جو تاریخ میں خاص مقام اور اہمیت رکھتا ہے یہ حکمران مسلم وحکومت بالخصوص حکمت اور سائنس سے خاص لگاؤ رکھتے تھے اور تمام علاقوں سے ایسے اہل مسلم و ہنر کو سکندریہ آنے کی دعوت دی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسکندریہ بہت جلد مسلم و دانش کا مرکز بن گیا اور یہاں سے بڑے بڑے سائنسدان اور اہل علم پیدا ہوئے۔ اسکندریہ کے زوال کے بعد روما کا غلبہ ہوا اور انہوں نے مصر کو بھی روم میں شامل کرلیا۔ جس کے بعد مشرق قریباً سات سو سال تک رومۃ الکبری کے طابع رہا۔ اس کے بعد بازنطینی آئے اور یہ سلسلہ یونہی چلتے چلتے ہیگل اور مارکس تک آ پہنچتا ہے۔ ہیگل ملکیت زمین کے حوالہ سے ایک اہم سوال اُٹھاتا ہے کہ ہندوستان میں مزروعہ زمین خود کاشتکار کی ملکیت ہے یا نواب کی اور فصل کی تقسیم کا جو طریقہ رائج تھا اس قانون میں تبدیلی ممکن نہیں تھی اور اگر یہ ایسا ہی ہے تو پھر سیاسی انقلاب اُن کیلیے کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ ہیگل کا اقتباس جو کہ سبط حسن نے نقل کیا ہے کچھ یوں ہے۔

> ''ملکیتِ زمین کی حد تک یہ سوال بہت اہم ہے کہ آیا ہندوستان میں مزروعہ زمین خود کاشتکار کی ملکیت ہے یا نام نہاد نواب کی۔ خود انگریزوں کو اس مسئلے کو سمجھنے میں بڑی دشواری پیش آئی ہے۔۔۔۔لہٰذا تمام سیاسی انقلابات عام ہندوؤں (اس وقت ہندوستان کے تمام باشندوں کے لیے خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں یہی عام اصطلاح استعمال کی جاتی تھی) کے لیے درخور اعتنا نہیں ہوتے کیونکہ ان کی تقدیر میں زندگی جوں کی توں رہتی ہے''۔(۱)

مارکس جس وقت برلن یونیورسٹی میں داخل ہوا اس وقت ہیگل کی دھوم تھی اور بڑے بڑے وزرا بھی ہیگل کی تعریف و توصیف کر رہے تھے۔ مارکس کے باپ نے جو کہ خود ایک وکیل تھا مارکس کو قانون پڑھنے کیلئے بھیجا تھا مگر باپ کی موت کے بعد مارکس اپنے رجحان کے مطابق فلسفہ کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا اور بائیں بازو کی ہیگل وادی تنظیم میں بھی شمولیت اختیار کر لی۔ مارکس نے ہیگل کی تصنیفات کو بھی پڑھ رکھا تھا اور ہیگل کے مطالعہ سے قبل بھی وہ مشرق کے حالات سے آگہی رکھتا تھا۔ مارکس علم اقتصادیات اور سوشلسٹ نظریات کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ معاشرے کی بنیاد اُس کی اقتصادیات ہوتی ہے اور سیاست، قانون اور فلسفہ وغیرہ اس کے بالائی ڈھانچے ہوتے ہیں۔ پیرس اور برسلز میں قیام کے دوران مارکس اینگلز نے کئی اہم دستاویزات تیار کی تھیں جن میں مقدس خاندان، جرمن آئیڈیالوجی، فلسفے کا افلاس اور کمیونسٹ مینی فیسٹو قابل ذکر ہیں۔ سبط حسن لکھتے ہیں کہ ہندوستان اور چین کی معیشت پر مغربی اثراتِ سرمایہ داری کے غلبہ کا ذکر پہلی بار اپنی مشترکہ تصنیف ''جرمن آئیڈیالوجی'' میں کیا۔ اپنے تاریخی مادیت کے فلسفے کی وضاحت کرتے ہوئے اور خیالیوں کے فلسفہ تاریخ پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ خیالیوں کی سوچ الٹ ہے وہ خیال کو علت اور مادی زندگی کو اسکا مظہر خیال کرتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وجود شعور کو متعین کرتا ہے نہ کہ شعور وجود کو۔ خیالیوں کو دوسری غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مارکس اور اینگلز لکھتے ہیں کہ لوگوں کو اپنے عہد کی اصل حقیقت کے بارے میں جو غلط فہمی ہوتی ہے یہ اس کو سچ مان لیتے ہیں۔ نو آبادیات کے حوالہ سے دونوں حضرات اپنی کتاب ''جرمن آئیڈیالوجی'' میں لکھتے ہیں۔ نو آبادیات کی اصلاح تین حصوں میں منعکسم ہے اوّل وہ ملک جہاں اہل مغرب نے اپنی بستیاں بسائیں اور وہاں کے مقامی باشندوں کو اُن کی زمینوں سے بے دخل کر دیا۔ دوم وہ ممالک جن میں اہل مغرب آباد نہیں ہوئے بلکہ حاکم بن کر ان کے ذرائع وسائل کو اپنے تصرف میں لے آئے اور سوم وہ نیم نو آبادیاتی ملک جو بظاہر آزاد تھے لیکن ان کی معیشت مغربی طاقتوں کے تابع تھی۔ مارکس نے پہلی بار اپنی کتاب ''فلسفہ کا افلاس'' میں نو آبادیاتی نظام کے استحصالی کردار پر روشنی ڈالی تھی۔

محکوم قوموں کا حقِ خود اختیاری مارکسزم کی بنیاد ہے مارکس اور اینگلز نے سرمایہ داری نظام کا جائزہ لیتے ہوئے مشرق میں مغربی طاقتوں کی استحصالی سرگرمیوں اور کاروائیوں پر سخت تنقید کی وہ نو آبادیاتی نظام کے بغور مطالعہ سے اس نتیجہ پر بھی پہنچ چکے تھے کہ مغربی ملکوں کے محنت کشوں کی طبقاتی جدوجہد اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک مشرق کے محکوم ملک آزادی حاصل نہیں کر لیتے۔ مارکس اور اینگلز پہلی انٹرنیشنل کے ذریعہ سے مشرق اور

یورپ کی تحریکوں کے درمیان رابطے کے مواقع پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ یہ کام لینن نے سرانجام دیا۔ لینن نے سامراجی نظام کی تشریح کرتے ہوئے یورپ کے محنت کشوں کی انقلابی جدوجہد اور مشرق کی محکوم عوام کی آزادی کی تحریک کی حکمت عملی اور لائحہ عمل کے اصول مارکسی تعلیمات اور نصب العین کی روشنی میں مرتب کیے۔

دوسری انٹرنیشنل کا زمانہ امپریلزم کے فروغ کا زمانہ تھا اور سامراجی طاقتیں قریباً پورے ایشیاء اور افریقہ کو اپنے تصرف میں لانے میں کامیاب ہو چکی تھیں اور مغربی طاقتوں کی لوٹ کا بازار گرم تھا۔ مقبوضہ ممالک کے وسائل پر اپنی اجارہ داری قائم کرتے ہوئے اُن کے ذرائع پیداوار پر اپنا اجارہ قائم کیا جارہا تھا۔ سبطِ حسن اس صورت حال پر لکھتے ہیں۔

> ''مقبوضات پر سیاسی تسلط اور ان کے مال و ذخائر پر بلا شرکت غیرے تصرف سے سامراجی نظام خوب پھولا پھلا۔ درآمد برآمد کی مکمل اجارہ داری، سرمائے کا چند صنعت کاروں کے ہاتھوں میں ارتکاز، بینکوں کے ذریعے مالیاتی سرمائے کی توسیع، پس ماندہ ملکوں میں سرمایہ لگا کر منافع کی شرح بڑھانے کے مواقع غرضیکہ کوئی ایسا حربہ نہ تھا جس کو سامراجی طاقتوں نے بے دردی سے استعمال نہ کیا ہو۔ اسی لوٹ مار کا ردِعمل تھا جو ۲۰ویں صدی کے اوائل میں ترکی، ایران، چین مصر، ہندوستان ہر جگہ شدید احتجاج کی شکل میں ظاہر ہوا اور آزادی کی جدوجہد میں ایک نئے مرحلے میں داخل ہوئی۔ ان حالات کے پیشِ نظر دوسری انٹرنیشنل کے لیے بھی نوآبادیاتی نظام سے متعلق کوئی نہ کوئی پالیسی اختیار کرنا ناگزیر ہو گیا''۔ **(۲)**

جنوبی افریقہ میں سونے کی کانیں دریافت ہوئیں تو انگریزوں کے دہانِ طمع میں پانی بھر آیا اور انہوں نے اپنی فوجیں جنوبی افریقہ میں اتار دیں بوٹروں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن فتح بالآخر برطانیہ کی ہوئی اور یوں مغربی افریقہ سلطنتِ برطانیہ کا حصہ بن گیا۔ لوٹ کھسوٹ اور ظلم کی اس داستان کے پیچھے وہی سامراجی فکر کام کر رہی تھی جو نوآبادیات کے ذریعہ سے اپنی اجارہ داری کو مستحکم کرنے کی خواہاں تھیں اور ان کا خیال تھا کہ مشرق کی غیر مہذب اقوام کو تہذیب سکھانے کیلئے ضروری ہے کہ انہیں اپنے طابع کیا جائے تاکہ یہ لوگ ترقی کر سکیں۔ سبطِ حسن ان حالات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''دوسری انٹرنیشنل نے ۱۹۰۰ء میں اپنے سالانہ اجلاس میں اس برطانوی حملے کی شدید مذمت کی لیکن اس تنظیم میں ایسے عناصر بھی تھے جن کا خیال تھا کہ مشرق کی غیر مہذب اور وحشی قوموں کو سارا سامراجی طاقتوں ہی کے ذریعے تہذیب سکھائی جا سکتی ہے اور یہ پس ماندہ لوگ انہیں کے سائے میں رہ کر ترقی کر سکتے ہیں۔ یہ رجحان نتیجہ تھا دولت کی اس ریل پیل کا جو مقبوضات کے استحصال سے حاصل ہوتی تھی۔ اینگلز نے اسی بنا پر انگریز مزدوروں کی سیاسی کم فہمی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا تھا

> کہ مقبوضات سے مفت ہاتھ آئی دولت کے دستر خوان سے مزدوروں کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ انقلابی انداز میں سوچنے سے قاصر ہیں''۔ (۳)

لینن نے اس رجحان کو جو کہ قطعاً غیر انقلابی تھا کی شدید مخالفت کی اور حاکم اور محکوم قوموں کے مابین رشتے کی اصل حقیقت کھول کر بیان کر دی اور روس کے اُس حملہ کی بھی مذمت کی جو زار روس نے چین پر کر دیا تھا جس کا مقصد چین کے وسائل پر قابو پانا تھا اور ثمرات کو سمیٹنا تھا لینن نے اس سامراجی جارحیت کے خلاف لکھا کہ:

> ''جس ملک میں بھی سرمایہ دارانہ صنعت تیزی سے بڑھتی ہے اس کو بہت جلد نوآبادیاں تلاش کرنی پڑتی ہیں یعنی وہ ملک جن میں صنعت بہت کم ہے۔ جن میں بڑی حد تک Patriarchal طریقۂ زندگی رائج ہے اور جو مصنوعات کے لیے بازار اور اونچے نفع کا ذریعہ ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔ زار کی حکومت اپنے عوام ہی کو غلام نہیں بنائے ہوئے ہے بلکہ ان سے دوسروں کو دبانے کا کام بھی لے رہی ہے جو اپنی غلامی کیخلاف بغاوت کرتے ہیں''۔ (۴)

دوسری انٹرنیشنل میں بھی یہ اختلاف قائم رہا کیونکہ سامراجی گماشتوں کا خیال تھا کہ نوآبادیات کی ضرورت کسی نہ کسی حد تک رہتی ہے کیونکہ پست فکر کی حامل اقوام میں اتنی استعداد نہیں ہوتی کہ وہ ترقی کی راہ پر چل سکیں اور اپنے آپ کو مہذب بنا سکیں جبکہ لینن کی بالشویک پارٹی کا موقف تھا کہ نوآبادیاتی نظام وحشیانہ نظام ہے جس کی اجازت کسی صورت میں بھی نہیں جا سکتی اسی اختلاف رائے کی وجہ سے پہلی جنگ عظیم کے موقع پر اس کے خاتمے کا اعلان کر دیا گیا۔

> ''یہ اختلافِ رائے بالآخر پہلی جنگ عظیم کے موقع پر رنگ لایا اور دوسری انٹرنیشنل کے خاتمے کا سبب بنا کیونکہ دوسری انٹرنیشنل جو بین الاقوامی مزدور تحریکی کی نمائندگی کا دعویٰ کرتی تھی۔۔۔۔ مزدور تحریک کی بین الاقوامیت جارحانہ قوم پرستی کی نذر ہو گئی۔ دوسری انٹرنیشنل کا جنازہ نکل گیا۔ وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی''۔ (۵)

مشرق میں بیداری کی لہر زارِ روس کی جاپان کے ہاتھوں شکست کے نتیجہ میں پیدا ہوئی مغرب کی ایک عظیم طاقت جو کہ ناقابلِ شکست تصور کی جاتی تھی کا جاپان سے ہارنا مشرق کیلئے نفسیاتی آزادی کا بڑا سبب بنا اور اس کے نتیجہ میں پورے مشرق میں آزادی کی تحریکوں نے زور پکڑا۔ اُدھر روس کے اندر بھی زارِ روس کی گرفت کمزور پڑ گئی اور اس کی ہیبت کا طلسم ختم ہو گیا جس کے نتیجے میں روس کے محنت کشوں کی مسلح جدوجہد میں تیزی آ گئی اور یہی جدوجہد مشرق کی محکوم اقوام کیلئے راہ کا تعین کر گئی۔ لینن نے اپنے مقالے ''مشرق کی بیداری'' میں لکھا ہے۔

> ''عالمگیر سرمایہ داری اور ۱۹۰۵ء کی تحریکِ روس نے بالآخر ایشیا کو بیدار کر دیا ہے۔ لاکھوں کروڑوں اُفتادگانِ خاک اور مم کردگانِ راہ قرونِ وسطیٰ کے جمود سے جاگ اٹھے ہیں اور

نئی زندگی کے آرزومندوں نے اپنے بنیادی حقوق اور جمہوریت کے لیے لڑنے پر کمر باندھ لی ہے۔ ایشیا کی بیداری اور یورپ کے ترقی یافتہ پرولتاریہ کے اقتدار کی جدوجہد علامت ہے تاریخ عالم کے عہدِ نو کی جو اس صدی کی ابتدا میں شروع ہوا"۔ (۶)

کارل مارکس کی حیات اور فکر پر سبط حسن نے ایک مختصر کتابچہ تحریر کیا تھا جو کہ متفرق مضامین کے تحت اس کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس مختصر تحریر کی اہمیت اس کی ضخامت سے کہیں زیادہ اس بات پر ہے کہ سبط حسن کی اس تحریر سے قبل مارکس پر اُردو زبان میں باقاعدہ معلومات دستیاب نہ تھیں لیکن اس کتابچہ کی صورت میں کارل مارکس اور اس کے نظریات وافکار کہ جنہوں نے آگے چل کر پوری دنیا کو متاثر کیا بلکہ ایک تحریک کی صورت اختیار کی کے بارے میں اپنے لوگوں کو اور بالخصوص نوجوان نسل کو جو کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتی ہے کی ذہنی تربیت کیلئے فراہم کیا۔ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ ہمارے چند دانشور جو کہ خود بھی مارکس اور اس کے نظریات کے بارے میں لاعلم ہیں لیکن اپنی قابلیت بگھارنے کیلئے غلط معلومات لوگوں کو فراہم کر کے گمراہ کر رہے ہیں اس لیے ضروری تھا کہ ایک ایسی ہی مربوط اور مبسوط تحریر سامنے لائی جائے تاکہ لوگوں کو اس گمراہی سے نکالا جا سکے۔

سبط حسن کے مطابق کارل مارکس کا شمار انیسویں صدی کی اُن دو عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جنہیں یورپ نے پیدا کیا دوسری ہستی ڈارون کی ذات ہے۔ ڈارون نے سائنس کی سطح پر انقلاب برپا کیا اور کارل مارکس نے سماجی انقلاب کی راہیں متعین کیں۔ مارکس نے جان لیا تھا کہ طریقۂ پیداوار اور پیداواری رشتوں میں تبدیلیاں ہی سماجی انقلاب کی بنیاد ہوتی ہیں اور اسی نظریۂ کی روشنی میں پھر مارکس نے سرمایہ داری نظام کا مطالعہ کیا اور اس نظام سے پیدا ہونے والے نئے روشن نظام سے دنیا کو آگاہ کیا۔ کارل مارکس کی پیدائش اور خاندانی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے سبط حسن لکھتے ہیں۔

"کارل مارکس ۵ مئی ۱۸۱۸ء کو جرمنی کے شہر ٹرائر میں پیدا ہوا جو دریائے رہائن کی باجگزار موزیل ندی کے کنارے واقع ہے۔ اس کا خاندان یہودی تھا اور کئی پشتوں سے ٹرائر میں آباد تھا۔ مارکس کے باپ ہائن رخ مارکس نے جو ایک خوش حال وکیل تھا کارل مارکس کی ولادت سے کئی برس پہلے آبائی مذہب ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ وہ فرانس کی انقلابی تحریکوں سے بہت متاثر تھا چنانچہ اس کے کتب خانے میں والٹیئر، رُوسو، دیدرو، لائب نزا اور دوسرے روشن خیال مفکروں کی بے شمار کتابیں موجود تھیں۔ گھر کا یہ ماحول کارل مارکس کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا"۔ (۷)

جب مارکس نے برلن یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو اس وقت ہر طرف ہیگل کی دھوم تھی اور اس کے افکار و نظریات سے ہر شخص متاثر تھا حتیٰ کہ حکومتی افراد اور وزراء بھی ہیگل کے گن گاتے دکھائی دیتے تھے۔ مارکس نے "ڈاکٹر کلب" کی ممبر شپ اختیار کر لی یہ تنظیم نوجوانوں کے اس طبقہ نے بنائی تھی جو کہ حکومتی موقف کے برعکس ہیگل

کے ترقی پسندانہ خیالات کا ذکر کرتا تھا اور جبر و استبداد کے جواز تلاش کرنے کی حکومتی روش کے سخت مخالف تھا۔

مارکس نے بون یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ میں ملازمت کی کوششیں بھی کیں مگر ناکامی پر صحافت قدم رکھا اور ''ہائی نش ذئی تونگ'' نامی اخبار سے وابستہ ہوگیا۔ مارکس نے اس اخبار میں اپنے مضامین لکھے جن میں کسانوں کے حقوق کیلئے آواز اٹھانے کے ساتھ ساتھ پریس کی آزادی کیلئے بھی اپنے قلم سے کام لیا۔ مارکس اور اینگلز کا ایک بڑا کارنامہ 'کمیونسٹ مینی فیسٹو' کی تصنیف ہے۔ جس میں انہوں نے سائنسی سوشلزم کے بنیادی اصول اختصار کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ سماجی اور معاشرتی رشتوں اور سرمایہ داری نظام کے حوالہ سے ان کے یہ خیالات دنیا بھر کے انقلابیوں کے لیے مشعلِ راہ بن گئے۔ اس کتابچہ کے حوالہ سے سبطِ حسن لکھتے ہیں:

> ''کمیونسٹ مینی فیسٹو' مارکس اور اینگلز کی وہ انقلابی تصنیف ہے جس نے شائع ہوتے ہی دنیا میں ہلچل مچا دی اور ڈیڑھ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس کی ہر دلعزیزی میں کائی کمی نہیں آئی ہے۔ لینن کہا کرتا تھا کہ: 'کتابچہ کتابوں سے بھرے ہوئے کئی کتب خانوں پر بھی بھاری ہے۔ اس کی روح آج بھی دنیا بھر کے محنت کشوں اور جوش اور ولولہ پیدا کرتی اور ان کی رہنمائی کرتی ہے'، اسی لیے مینی فیسٹو کو 'محنت کشوں کی بائبل' بھی کہتے ہیں''۔ (۸)

مارکس اور اینگلز کو جرمنی اور فرانس کے انقلابیوں سے بڑی توقع تھی لیکن ان کی یہ توقعات پورا نہ ہوئیں۔ لیکن دونوں نے انقلابی جدوجہد میں شمولیت بھی اختیار کی جو اس بات کا ثبوت تھی کہ مارکس اور اینگلز انقلابی عمل کو بھی اتنا ہی اہم تصور کرتے ہیں جتنا کہ انقلابی نظریات کے وضع کرنے کو۔

مارکس کو نجی زندگی میں مصائب کا سامنا رہا۔ آمدنی کے ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے اور کوئی مددگار بھی ساتھ نہ تھا جو ان مشکل حالات میں ان کی مدد کرتا۔ خوراک اور دوا کی عدم دستیابی کی وجہ سے مارکس کے دو بچوں کا انتقال، مکان کا کرایہ ادا نہ کرنے کے سبب مکان سے فوری بے دخلی حتیٰ کہ پہننے کے کپڑے بھی گروی رکھنے کی نوبت آن پہنچی تھی۔ ان تمام مصائب کے باوجود مارکس کے حوصلے کبھی پست نہ ہوئے۔ سبطِ حسن مارکس کے ان دگرگوں حالات تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس شام ارکس نے بھاگ دوڑ کر کے کہیں سے کرائے کی رقم حاصل کی تب گھر کا اثاثہ واگزاشت ہوا مگر اُس کو فوراً ہی فروخت کر دیا گیا تاکہ دوافروش، نانبائی، قصاب وغیرہ کے قرضے ادا کیے جاسکیں۔ اس کے بعد مارکس سوہو کے نہایت گندے اور گنجان علاقے میں دو کمروں کے فلیٹ میں منتقل ہوگیا اور چھ سال تک وہیں رہا۔ سامنے کا کمرہ بیٹھنے اور لکھنے پڑھنے کے کام آتا تھا اور عقب کے کمرے میں پورا خاندان سوتا تھا۔ اسی جگہ دو سال کے اندر مارکس کے دو بچے خوراک اور دوا علاج کی کمی کی وجہ سے

وفات ہو گئے۔دوسرا بچہ مرا تو گھر میں دوا کے لیے بھی پیسے نہ تھے''۔(۹)

ان تمام حالات میں مارکس کی بیوی جینی مارکس کا کردار نہایت قابل تعریف تھا۔جینی نے مالی مشکلات میں ہر طرح مارکس کا ساتھ دیا اور صبر اور استقامت کے ساتھ زندگی بسر کی بلکہ ہر مشکل گھڑی میں مارکس کیلئے تقویت کا باعث رہی شاید اگر مارکس کی زندگی میں جینی جیسی بیوی نہ آتی تو مارکس کو یہ عروج حاصل نہ ہوتا۔جینی کے بھائی نے جب جینی کو جرمنی آنے اور کفالت کی ذمہ داری لینے کے بارے میں لکھا تو اس انکار میں دیا گیا۔جینی کا جواب نہایت فکر کا حامل ہے۔(۱۰)

سرمایہ دارانہ نظام پر نوآبادیاتی نظام کے حوالہ سے مارکس نے بہت کچھ لکھا لیکن اس کی سب سے شاندار کتاب ''سرمایہ'' ہے جس میں مارکس نے جدید معاشرہ کے اقتصادی قانون حرکت کی تشریح کرتے ہوئے بتایا کہ یہ نظام کن طریقوں سے محنت کشوں کا استحصال کرتا ہے کیونکہ اس نظام میں اشیاء مارکیٹ کرنے کیلئے پیدا کی جاتی ہیں جو کہ محنت کشوں کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہیں لیکن انہیں جو اجرت دی جارہی ہوتی ہے اس میں وہ اس مناسبت سے کئی گنا زائد مالیت کی اشیاء پیدا کرتے ہیں لیکن سرمایہ دار اُن کو اس فاضل محنت اور فاضل پیداوار کا معاوضہ ادا نہیں کرتا۔اور یہی قدر زائد،سرمایہ داروں میں تقسیم ہو جاتی ہے جو کہ ارتکازِ دولت کی ایک صورت ہے۔

پے در پے آنی والی مشکلات اور مصائب کے حوالہ سے مارکس کی صحت گرتی جارہی تھی۔جینی کی موت جو کہ جگر کے کینسر کے سبب ہوئی تھی مارکس سے اس کی توانائیوں بالکل چھین لیا اور آخر کار یہ نابغہ ۱۸۸۳ء کو دنیا سے رخصت ہو گیا۔سبطِ حسن لکھتے ہیں:

> ''جس وقت مارکس نے وفات پائی تو دو ہی گز زمین اس کی ملکیت تھی جس میں وہ دفن ہوا۔مگر آج ایک تہائی دنیا میں اس کے انقلابی اصولوں پر عمل ہو رہا ہے۔۔۔۔اینگلز نے مارکس کے جنازے پر تقریر کرتے ہوئے سچ کہا تھا کہ مارکس کا نام سدا زندہ رہے گا اور اُس کا کام بھی''۔(۱۱)

کتاب کے آخر میں تین مختصر مضمون جو کہ ترقی پسند فکر کے حامل مولوی برکت اللہ،مولانا عبیداللہ اور مولانا حسرت موہانی کے بارے میں سبطِ حسن کے تحریر کردہ ہیں شامل کئے گئے ہیں جن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ بزرگ کن خیالات وافکار کے مالک تھے اور عوامی شعور کی بیداری میں ان کا کردار کیا تھا۔

حوالہ جات

۱۔ سبطِ حسن،سید،مارکس اور مشرق،مکتبہ دانیال،کراچی،۲۰۰۹ء،ص ۴۰ -۳۹

۲۔ ایضاً،ص ۱۰۳-۱۰۲ ۳۔ ایضاً،ص ۱۰۳ ۴۔ ایضاً،ص ۱۰۵-۱۰۴

۵۔ ایضاً،ص ۱۰۹-۱۰۸ ۶۔ ایضاً،ص ۱۱۰-۱۰۹ ۷۔ ایضاً،ص ۱۳۶-۱۳۵

۸۔ ایضاً،ص ۱۴۰-۱۳۹ ۹۔ ایضاً،ص ۱۴۲ ۱۰۔ ایضاً،ص ۱۴۵

۱۱۔ ایضاً،ص ۱۴۶